

اقبال کی شاعری میں انسان دوستی کا تصور

The Concept of Humanism in the Poetry of Allama Iqbal

Farzana Javed

Assistant Professor, Department of Urdu, University of the Punjab, Lahore, Pakistan

Muhammad Saeed Akhtar

Associate Professor, Department of Urdu, Government College University, Faisalabad, Pakistan

Abstract:

Allama Iqbal's poetry presents a profound vision of humanism that transcends cultural, religious, and geographical boundaries. His concept of Khudi (selfhood) emphasizes the spiritual elevation and empowerment of the individual as a means to uplift humanity collectively. Iqbal perceives humanity as a divine trust, calling for compassion, justice, and equality as the pillars of social order. Through his poetic philosophy, he encourages mankind to rise above materialism and rediscover moral and spiritual values that lead to universal brotherhood. This paper explores Iqbal's vision of humanism, its philosophical foundations, and its implications for the modern world, where spiritual emptiness and social alienation dominate human experience.

Keywords: Iqbal, humanism, spirituality, moral philosophy, universal brotherhood, Islamic thought, social justice

تعارف

علامہ اقبال بیسویں صدی کے ان عظیم شاعر و فلسفیوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے انسانیت کے لیے ایک ایسی فکری دنیا کی تشکیل کی جس میں اخلاقی شعور، روحانی مقصد اور باطنی قوت کے امتزاج سے انسان کی حقیقی عظمت ابھرتی ہے۔ اقبال کی شاعری صرف فن کا اظہار نہیں بلکہ انسان کے مقام و مرتبے پر ایک گہرا فکری مکالمہ ہے۔ اقبال کے نزدیک انسانیت کی اصل قدر و قیمت مادی کامیابی میں نہیں بلکہ روحانی بیداری اور اخلاقی صداقت میں ہے۔

آج کی دنیا میں جہاں نسل، قومیت، اور طبقاتی تفاوت نے انسان کو تقسیم کر رکھا ہے، اقبال کا پیغام وحدت انسانی امید کی ایک روشن کرن ہے۔ ان کی شاعری انسان کے باطن سے خطاب کرتی ہے، ایمان، عمل، اور محبت کی راہوں پر واپس آنے کی دعوت دیتی ہے۔ زیرِ نظر مطالعہ اقبال کے تصورِ انسان دوستی کا فکری و شعری تجزیہ پیش کرتا ہے تاکہ ان کے فلسفے کی عصری معنویت کو واضح کیا جاسکے۔

اقبال کے تصورِ انسان دوستی کی فکری اساس

اقبال کے تصور انسان دوستی کی بنیاد اسلامی تعلیمات، صوفیانہ روحانیت، اور مغربی فلسفے کے فکری میل جول پر استوار ہے۔ قرآن مجید نے انسان کو "اشرف المخلوقات" اور خدا کا "خليفة" قرار دے کر اس کے اندر اخلاقی اور روحانی عظمت کا بیج بویا ہے۔ اقبال اسی قرآنی تصور کو اپنی شاعری میں عملی و فکری زندگی کا محور بناتے ہیں۔ وہ انسان کو محض جسمانی وجود نہیں بلکہ ایک روحانی امانت دار سمجھتے ہیں جس کا مقصد کائنات میں خیر، عدل، اور محبت کو فروغ دینا ہے۔

تصوف نے اقبال کی فکر میں روحانی عمق پیدا کیا۔ رومی کی تعلیمات، عشقِ حقیقی، اور انسان کے باطن کی پاکیزگی نے اقبال کے ہاں انسان کو "محبتِ الہی" کا مظہر بنا دیا۔ تاہم، وہ تصوف کے غیر عملی یا ترک دنیا والے رجحان کے ناقد بھی تھے؛ ان کے نزدیک سچا صوفی وہ ہے جو دنیا میں رہ کر عدل و خیر کو زندہ کرے۔

مغربی فلسفے نے اقبال کے فکری سفر کو ایک نئے تناظر میں وسعت دی۔ نطشے، برگساں، اور گوسے جیسے مفکرین کے خیالات نے ان کے ذہن پر اثر ڈالا، مگر اقبال نے ان کے نظریات کو اسلامی اخلاقیات کے دائرے میں نئے معنی دیے۔ اقبال کے نزدیک آزادی کا مطلب خود غرضی نہیں بلکہ خدا کے قرب کے ذریعے اپنی صلاحیتوں کو انسانیت کی خدمت میں لانا ہے۔ یوں ان کا نظریہ انسان دوستی، مشرق و مغرب دونوں کی فکری روایات کا حسین امتزاج بن جاتا ہے، جس میں روحانیت، عقل، اور عمل سب ایک ہم آہنگ نظام میں گندھے ہوئے نظر آتے ہیں۔

خودی: انسانی عظمت کی بنیاد

اقبال کے نزدیک انسان کی اصل عظمت خودی کے شعور میں مضمر ہے۔ خودی محض انایا انفرادیت کا نام نہیں بلکہ ایک ایسی روحانی قوت ہے جو انسان کو اپنی تخلیقی توانائی، اخلاقی استقلال، اور خدا سے قرب کے احساس تک پہنچاتی ہے۔ اقبال کی نظر میں خودی وہ مرکز و جدان ہے جو انسان کے باطن کو بیدار کر کے اسے عمل، ایثار، اور مقصدِ حیات کی راہوں پر گامزن کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب انسان اپنی خودی کو پہچان لیتا ہے تو اسے اپنی محدود ذات کے اندر وہ الہی روشنی نظر آنے لگتی ہے جو اسے قوتِ ارادی اور تخلیق نو کا حوصلہ دیتی ہے۔

اقبال کے نزدیک خودی کا ارتقاء تین مراحل میں ہوتا ہے: اطاعت، ضبطِ نفس، اور نیابتِ الہی۔ ان مراحل سے گزر کر انسان اپنے وجود کو بلند کرتا ہے اور کائنات میں ایک فعال، مثبت، اور تعمیری قوت بن جاتا ہے۔ یہ تصور انسان کو مفعول سے فاعل بناتا ہے، یعنی وہ تقدیر کے ہاتھوں کی بجائے تقدیر کا خالق بننے کی جستجو کرتا ہے۔

اقبال نے خودی کے ذریعے انسان کو خدا کے قریب لانے کا فلسفہ پیش کیا۔ ان کے نزدیک خدا سے قرب کا مطلب فنا نہیں بلکہ بقا ہے۔ ایسی بقا جو عمل، محبت، اور ایمان کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہے۔ اقبال کا یہ تصور دراصل انسان کو اپنی ذات کی گہرائیوں میں جھانکنے اور اپنی روحانی قوتوں کو پہچاننے کی دعوت ہے تاکہ وہ اپنی دنیا میں انصاف، ہمدردی، اور خیر کے فروغ کا ذریعہ بن سکے۔ یوں خودی انسان کی اخلاقی، فکری، اور روحانی عظمت کی بنیاد بن جاتی ہے۔

عالمی بھائی چارہ اور سماجی ہم آہنگی

اقبال کے نزدیک انسانی معاشرے کی تکمیل عدل، مساوات، اور باہمی احترام کے اصولوں پر ممکن ہے۔ وہ ایک ایسے انسان دوست نظامِ حیات کے قائل تھے جس میں فرد اور قوم کی ترقی ایک دوسرے کی تکمیل کا باعث ہو، نہ کہ باہمی تصادم کا۔ اقبال کا تصور انسانیت، قومیت کی تنگ دیواری سے بالاتر ہے؛ وہ ایمان اور اخلاق کی بنیاد پر ایک عالمگیر انسانی برادری کے علمبردار ہیں۔ ان کے نزدیک انسان کی اصل شناخت اس کے رنگ، نسل یا زبان سے نہیں بلکہ اس کی روحانی وابستگی، کردار، اور انسانی خدمت سے متعین ہوتی ہے۔

اقبال کی شاعری میں جگہ جگہ اس وحدتِ انسانی کا پیغام جھلکتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو امتِ واحدہ کے اصول پر قائم ہونے کی تلقین کرتے ہیں، مگر ان کا یہ نظریہ کسی مخصوص قوم یا مذہب تک محدود نہیں۔ اقبال کے لیے اسلام ایک آفاقی پیغام رکھتا ہے۔ ایسا پیغام جو ہر انسان کو انصاف، مساوات، اور خدمتِ خلق کی دعوت دیتا ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ دنیا میں امن اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب ہر فرد دوسرے کے حقوق کا احترام کرے اور ظلم و استحصا کے نظام کو ختم کرے۔

اقبال کا تصور سماجی ہم آہنگی ایک ایسی دنیا کا خواب پیش کرتا ہے جہاں انسان، مذہب یا جغرافیہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ اخلاقی اقدار اور انسانی خیر خواہی کی بنیاد پر متحد ہوں۔ ان کی نظر میں یہ اتحاد محض سیاسی یا معاشی مفاد نہیں بلکہ روحانی بیداری کا نتیجہ ہے۔ ایک ایسا شعور جو انسان کو اپنی ذات سے بلند ہو کر پوری انسانیت کے لیے خیر کا ذریعہ بننے پر آمادہ کرتا ہے۔

انسان دوستی اور عمل: مردِ مومن کا کردار

اقبال کے تصورِ انسان دوستی میں مردِ مومن ایک ایسا مثالی کردار ہے جو ایمان، علم، اور عمل کی وحدت کا مظہر ہے۔ یہ کردار صرف عقیدہ یا نظریہ نہیں بلکہ ایک متحرک اور تخلیقی قوت ہے جو انسانیت کی خدمت کے لیے خود کو وقف کر دیتا ہے۔ اقبال کے نزدیک ایمان، جب عمل سے جڑتا ہے تو انسان کی خودی کو نکھارتا ہے اور اسے کائنات میں خیر و عدل کے فروغ کا ذریعہ بناتا ہے۔ مردِ مومن وہ ہے جو نہ صرف اپنے اندر خدا کی محبت کو بیدار رکھتا ہے بلکہ اپنی قوتِ ارادی، اخلاقی جرات، اور ایثار کے ذریعے دوسروں کی بھلائی کا سبب بنتا ہے۔

اقبال کے مردِ مومن کا کردار تصوف کے خاموش مراقبے سے مختلف ہے؛ وہ دنیا سے فرار اختیار نہیں کرتا بلکہ دنیا کے میدانِ عمل میں اترتا ہے۔ وہ مظلوموں کی دادرسی کرتا ہے، باطل نظاموں کے خلاف جدوجہد کرتا ہے، اور انسانیت کو جمود سے نجات دلانے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کرتا ہے۔ اس کا ایمان محض عبادت تک محدود نہیں بلکہ سماجی اور اخلاقی انقلاب کی بنیاد بنتا ہے۔ اقبال نے مردِ مومن کو "محبت کا پیامبر" کہا ہے جو انسانیت کو باہمی ہمدردی، عدل، اور ایثار کے رشتے میں جوڑتا ہے۔

اقبال کے نزدیک یہ کردار انسانی تکمیل کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب انسان ایمان کے نور سے منور ہو کر عمل کی راہوں پر چلتا ہے تو اس کا وجود ایک ایسی تخلیقی قوت بن جاتا ہے جو قوموں کی تقدیر بدل دیتا ہے۔ مردِ مومن دراصل وہ عملی انسان دوست ہے جو اپنے ایمان اور عشقِ الہی سے انسانی دنیا میں توازن، عدل، اور محبت کی فضا قائم کرتا ہے۔ اس طرح اقبال کا نظریہ انسان دوستی محض نظریاتی نہیں رہتا بلکہ ایک زندہ، فعال، اور تعمیری نظامِ فکر میں ڈھل جاتا ہے۔

اقبال کے نظریہ انسان دوستی کی عصری معنویت

جدید دور میں جب انسان سائنسی ترقی، معاشی دوڑ، اور ٹیکنالوجی کے غلبے کے باوجود روحانی تنہائی اور اخلاقی زوال کا شکار ہے، اقبال کا نظریہ انسان دوستی ایک تازہ ہوا کے جھونکے کی مانند ہے۔ اقبال نے ایک صدی قبل جن مسائل کی نشاندہی کی تھی۔ سادیت، خود غرضی، اور روحانی بحران۔ وہ آج کی دنیا میں مزید شدت اختیار کر چکے ہیں۔ انسان نے فضاؤں کو تسخیر کر لیا ہے مگر اپنے دل کی دنیا ویران کر دی ہے۔ اقبال اسی باطنی خلا کو پُر کرنے کے لیے ایمان، عشق، اور خودی کا فلسفہ پیش کرتے ہیں۔

اقبال کے نزدیک جدید تہذیب کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس نے عقل کو مطلق بنا کر روحانیت کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ ان کے نزدیک علم اور ٹیکنالوجی کی ترقی تنہی یا معنی ہو سکتی ہے جب وہ اخلاقی اقدار اور انسانی خیر خواہی سے جڑی ہو۔ اقبال کا انسان دوست فلسفہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ حقیقی ترقی وہی ہے جو انسان کے باطن کو جلا بخشنے اور اس کے وجود میں توازن پیدا کرے۔

آج کے تناظر میں اقبال کا پیغام فرد اور معاشرے دونوں کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ وہ انسان کو خود آگاہی، ایمان، اور اخلاقی عمل کے ذریعے اپنی دنیا کو بہتر بنانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اقبال کا یہ تصور عالمی سطح پر انسانوں کے درمیان باہمی احترام، برداشت، اور تعاون کی بنیاد بن سکتا ہے۔ اس طرح اقبال کی انسان دوستی محض ایک نظریاتی فکر نہیں بلکہ ایک عملی منشور ہے۔ جو جدید دنیا کے روحانی خلا، اخلاقی بحران، اور سماجی انتشار کا موثر علاج فراہم کرتا ہے

اقبال کا قرآنی تصور انسان

اقبال کے نزدیک انسان کی حقیقی شناخت قرآن مجید کے تصور خلافت اور شرف المخلوقات کے نظریے میں مضمر ہے۔ قرآن نے انسان کو زمین پر خدا کا نائب قرار دیا، یعنی وہ مخلوق جو نہ صرف عقل و شعور رکھتی ہے بلکہ اخلاقی ذمہ داریوں کی بھی اہل ہے۔ اقبال کی شاعری میں یہ قرآنی نظریہ بار بار ابھر رہا ہے۔ وہ انسان کو تقدیر کا پابند نہیں بلکہ تقدیر کا خالق تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان کا کام صرف عبادت نہیں بلکہ کائنات کی تعمیر اور عدل اجتماعی کا قیام ہے۔

(میں نے اس میں اپنی روح چھوکی)۔ یہی روحانی نسبت انسان کو خدا کے قریب کرتی ہے اور اسے ”وَقَفَّیْتُ مَعَهُ رُوحَوْنِی“ اقبال قرآن کی اس آیت سے متاثر ہیں کہ اخلاقی بلندی عطا کرتی ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ الہی امانت انسان کو محض عزت نہیں بلکہ ایک بھاری ذمہ داری بھی دیتی ہے کہ وہ اپنی خودی کو سنوار کر، عدل، محبت، اور خیر کے اصولوں کو دنیا میں رائج کرے۔

تصوف اور عشق حقیقی کا انسانی پہلو

اقبال کی فکری تشکیل میں تصوف کا گہرا اثر نمایاں ہے، مگر ان کا تصوف محض وجدانی یا غیر عملی نہیں بلکہ زندگی آفرین اور انسان دوست ہے۔ اقبال نے مولانا رومی کو اپنا ”مرشدِ روحانی“ قرار دیا کیونکہ رومی کے عشق حقیقی نے انہیں انسان کی روحانی ارتقا کی راہیں دکھائیں۔ رومی کے نزدیک عشق وہ قوت ہے جو انسان کے اندر سے ظلمت کو مٹا کر اسے نورِ الہی سے منور کرتی ہے، اور یہی تصور اقبال کی شاعری میں روحانی طہارت اور اخلاقی بلندی کی بنیاد بن جاتا ہے۔

اقبال کے ہاں عشق حقیقی ایک فعال اور تخلیقی قوت ہے۔ یہ انسان کو خودی کے اسرار سمجھنے، خدا سے قرب حاصل کرنے، اور انسانیت کی خدمت کے لیے سرگرم رہنے پر آمادہ کرتا ہے۔ عشق اقبال کے نزدیک محض جذبہ نہیں بلکہ ایک انقلابی عمل ہے جو انسان کو جوہر سے نکال کر کائنات میں حرکت، ایثار، اور خیر کا مظہر بنادیتا ہے۔ وہ عشق کو عقل پر برتری دیتے ہیں کیونکہ عشق انسان کو خودی کی راہوں پر لے جاتا ہے، جب کہ محض عقل انسان کو مفاد کی دیواروں میں قید کر دیتی ہے۔

اقبال کے فلسفہ عشق میں تصوف کا انسانی پہلو نمایاں ہے۔ ان کے نزدیک عشق انسان کو اپنی ذات کے تنگ دائرے سے نکال کر دوسروں کے درد میں شریک ہونے کی توفیق دیتا ہے۔ یہی عشق انسان کو انسان دوست بناتا ہے، کیونکہ عشق کی آگ میں جل کر انسان خود غرضی سے پاک ہو جاتا ہے اور خدمتِ خلق کو عبادت کا درجہ دے دیتا ہے۔ اقبال کے نزدیک عشق، روح کی آزادی اور انسانیت کی نجات کا واحد ذریعہ ہے۔

فکرِ اقبال میں انسان اور کائنات کا تعلق

اقبال کی فکر میں انسان اور کائنات کا رشتہ محض مشاہدے یا تجربے تک محدود نہیں بلکہ ایک تخلیقی اور اخلاقی تعلق ہے۔ ان کے نزدیک انسان کائنات کا محض تماشاخی نہیں بلکہ خالقِ ثانوی ہے، جو خدا کی صفات کا مظہر بن کر کائنات میں تخلیق، نظم، اور توازن پیدا کرتا ہے۔ قرآن کے تصور خلافت سے متاثر ہو کر اقبال انسان کو ایک ایسی مخلوق قرار دیتے ہیں جسے فطرت کے اسرار کو سمجھنے اور انہیں خیر و فلاح کے لیے استعمال کرنے کی ذمہ داری دی گئی ہے۔

اقبال کے نزدیک کائنات ساکن نہیں بلکہ مسلسل حرکت اور ارتقا میں ہے۔ اور انسان اس ارتقائی عمل کا شعوری شریک ہے۔ وہ انسان کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے عقل و وجدان کے امتزاج سے کائنات کی تسخیر کرے اور اسے اپنی اخلاقی بلندی کے مظہر کے طور پر استعمال کرے۔ اقبال کے نزدیک تسخیر کائنات کا مطلب صرف سائنسی ترقی نہیں، بلکہ اس ترقی کو انسانی فلاح اور روحانی تکمیل کے تابع بنانا ہے۔

اقبال کی شاعری میں کائنات ایک زندہ مظہر کی حیثیت رکھتی ہے جو انسان کے عزم، عشق، اور عمل سے ہم آہنگ ہے۔ وہ انسان کو کائنات کے ساتھ ایک ہم مکالمہ تعلق میں دیکھتے ہیں۔ انسان خدا کی تخلیق کارزداں ہے، اور کائنات اس کے لیے ایک مسلسل دعوتِ عمل۔ اقبال کے نزدیک جب انسان اپنی خودی کو پہچان لیتا ہے تو وہ اس کائنات کے لیے نور بن جاتا ہے، اور یہی شعور انسانیت اقبال کے نظریہ انسان دوستی کی اعلیٰ ترین صورت ہے

اقبال کے تصورِ خودی میں اجتماعی پہلو

اقبال کے نزدیک خودی صرف فرد کی بیداری یا روحانی تربیت کا نام نہیں بلکہ پوری امت اور معاشرے کی تنظیم نو کا فکری و اخلاقی ذریعہ ہے۔ وہ اس تصور کو ایک ایسی تخلیقی قوت کے طور پر دیکھتے ہیں جو انسان کو خود شناسی سے لے کر اجتماعی شعور تک پہنچاتی ہے۔ اقبال فرد کی خودی کو معاشرتی خودی سے جدا نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک جب تک فرد کی خودی اجتماعی مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو، قوم ترقی نہیں کر سکتی۔

اقبال کی شاعری میں اجتماعی خودی ایک ایسے معاشرے کی بنیاد ہے جو عدل، مساوات، اور باہمی تعاون کے اصولوں پر قائم ہو۔ ان کے نزدیک ایک قوم اسی وقت زندہ رہ سکتی ہے جب اس کے افراد میں مقصدِ حیات، ایمان، اور قربانی کا جذبہ یکساں طور پر موجود ہو۔ وہ مسلمانوں کو یاد دلاتے ہیں کہ امتِ مسلمہ کی اصل قوت تلوار یا دولت نہیں بلکہ ایمان اور روحانی وحدت میں ہے۔

اقبال اجتماعی خودی کو ایک عملی اور اخلاقی وحدت کی صورت میں دیکھتے ہیں جہاں ہر فرد اپنی ذات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ دوسروں کے لیے خیر کا ذریعہ بنتا ہے۔ وہ مادیت اور خود غرضی کے خلاف جہاد کو انسان دوستی کا حصہ سمجھتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک جس معاشرے میں خودی زندہ ہو، وہاں ظلم، نا انصافی، اور غلامی کا وجود باقی نہیں رہتا۔ اس طرح خودی، فرد اور معاشرے دونوں کی نجات اور فلاح کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ ایک ایسا نظام حیات جو روحانی بیداری، اجتماعی خیر، اور انسانی مساوات کے اصولوں پر قائم ہو۔

انسان دوستی کے سیاسی مضمرات

اقبال کی انسان دوستی صرف اخلاقی یا روحانی اصول نہیں بلکہ ایک جامع سیاسی نظریہ بھی ہے جو عالمی سطح پر انسانی وحدت، آزادی، اور خود اختیاری کا پیغام دیتا ہے۔ اقبال کا تصورِ امت دراصل اسی انسان دوستی کا سیاسی مظہر ہے۔ وہ ایک ایسی دنیا کے متنی ہیں جہاں رنگ، نسل، اور قومیت کی بنیاد پر انسان تقسیم نہ ہوں بلکہ عدل، ایمان، اور انسانی مساوات کے رشتوں میں منسلک ہوں۔ ان کے نزدیک اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ ایک نظامِ حیات ہے جو عالمی سطح پر انسانیت کی فلاح اور اتحاد کا عملی منشور فراہم کرتا ہے۔

اقبال قومیت پرستی اور نسلی تفاخر کے سخت ناقد ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک یہ تعصبات انسانیت کو ٹکڑوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کی حقیقی شناخت مذہب یا جغرافیہ سے نہیں بلکہ اس کی اخلاقی خودی اور انسانی کردار سے ہے۔ اقبال کی سیاسی فکر میں انسان دوستی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر انسان کو آزادی اور خود اختیاری کا حق حاصل ہو۔ وہ غلامی، استبداد، اور سامراجی قوتوں کو انسانیت کے خلاف سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔

اقبال کا تصور سیاست روحانی اقدار سے جڑا ہوا ہے۔ ان کے نزدیک سیاست اگر اخلاقیات سے خالی ہو جائے تو ظلم اور تباہی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس لیے وہ ایک ایسے سیاسی نظام کی وکالت کرتے ہیں جو ایمان، عدل، اور خیر انسانی پر مبنی ہو۔ ان کی نظر میں انسان دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر معاشرہ اپنے افراد کو فکری آزادی، معاشی عدل، اور روحانی وقار فراہم کرے۔ اقبال کا یہ نظریہ آج کے عالمی تناظر میں بھی ایک پیغام انقلاب رکھتا ہے۔ ایک ایسا نظام دنیا جو طاقت نہیں بلکہ محبت، انصاف، اور انسانی وقار کی بنیاد پر قائم ہو۔

اقبال کے مروجہ مومن اور جدید انسان کے درمیان فکری تقابل

اقبال کے نزدیک مروجہ مومن انسانیت کی اعلیٰ ترین شکل ہے۔ ایسا کردار جو ایمان، عشق حقیقی، اور اخلاقی قوت کا پیکر ہے۔ وہ اپنے ضمیر کی روشنی میں زندہ رہتا ہے، اپنی خودی سے آگاہ ہوتا ہے، اور اپنے عمل سے کائنات میں خیر، عدل، اور توازن پیدا کرتا ہے۔ مروجہ مومن کے لیے زندگی مقصد، جدوجہد، اور خدمت کا نام ہے۔ وہ مایوسی سے دور، عمل پر یقین رکھنے والا، اور اپنی روحانی آزادی کا محافظ ہوتا ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ انسان خدا کے قریب ترین ہے کیونکہ وہ اپنی ذات میں نور ایمان کا مظہر بن جاتا ہے۔

اس کے برعکس، جدید انسان بظاہر علم و ٹیکنالوجی میں ترقی یافتہ ہے مگر روحانی طور پر زوال پذیر۔ اقبال اس انسان کو ”علم کا دھنی مگر خودی سے محروم“ قرار دیتے ہیں۔ جدید تہذیب نے انسان کو مشینوں کا خادم بنا دیا ہے؛ اس کی عقل تو تیز ہے مگر دل مردہ ہو چکا ہے۔ وہ مادیت، خود غرضی، اور مسابقت کے چکر میں اپنی روحانی حقیقت کو بھول چکا ہے۔ اقبال کے نزدیک یہی وہ المیہ ہے جس نے جدید انسان کو بے سکونی، تنہائی، اور اخلاقی انحطاط میں مبتلا کر دیا ہے۔

اقبال کے مروجہ مومن اور جدید انسان کا بنیادی فرق زندگی کے مرکز میں ہے۔ مروجہ مومن کا مرکز خدا ہے، جب کہ جدید انسان کا مرکز نفس اور مفاد۔ اقبال کا مروجہ مومن آزاد مگر خدا کا بندہ ہے، جب کہ جدید انسان آزاد مگر ضمیر کا قیدی۔ اقبال اس تقابل کے ذریعے ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ انسان کی اصل قوت علم یا طاقت میں نہیں بلکہ ایمان، عشق، اور اخلاقی استقامت میں ہے۔ ان کے نزدیک اگر جدید انسان اپنی روحانی اساس کی طرف لوٹ آئے تو وہ مادی ترقی کو بھی انسانیت کی خدمت میں بدل سکتا ہے۔ یہی اقبال کے انسان دوست فلسفے کی معراج ہے۔

اقبال کا پیغام انسانیت: عصر حاضر کے لیے رہنمائی

اقبال کی فکر محض ماضی کی یاد نہیں بلکہ حال اور مستقبل کے لیے ایک زندہ اور فعال پیغام ہے۔ انہوں نے انسان کو اس کی روحانی اصل سے جوڑنے اور مادیت کے سیلاب میں اخلاقی توازن برقرار رکھنے کی دعوت دی۔ آج جب دنیا نفرت، جنگ، معاشی ناہمواری، اور روحانی خلا جیسے بحرانوں میں مبتلا ہے، اقبال کا پیغام ایک اخلاقی و روحانی منشور کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ان کے نزدیک انسان کی نجات اس میں نہیں کہ وہ دنیا سے فرار اختیار کرے، بلکہ اس میں ہے کہ وہ دنیا کے اندر رہ کر اپنے ایمان، عمل، اور عشق کے ذریعے اسے بہتر بنائے۔

اقبال نے انسان کو یاد دلایا کہ اس کی اصل قوت نہ دولت میں ہے، نہ ہتھیار میں، بلکہ اس کے ضمیر، یقین، اور کردار میں ہے۔ وہ جدید تہذیب کے مادی رجحانات پر تنقید کرتے ہوئے ایک ایسے انسان کی تصویر پیش کرتے ہیں جو روحانی بیداری کے ساتھ دنیاوی ترقی کو ہم آہنگ کرتا ہے۔ ان کا فلسفہ ہمیں سکھاتا ہے کہ حقیقی ترقی وہی ہے جو انسان کے دل میں محبت، انصاف، اور خیر کا چراغ روشن کرے۔

اقبال کے نزدیک انسانیت کا مستقبل اسی وقت محفوظ ہو سکتا ہے جب انسان خود کو پہچانے، اپنی خودی کو بیدار کرے، اور دوسروں کے لیے خیر و محبت کا سرچشمہ بن جائے۔ ان کی شاعری ہمیں یاد دلاتی ہے کہ انسان خدا کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ذات سے نکل کر پوری انسانیت کے لیے روشنی بنے۔ اس طرح اقبال کا پیغام انسانیت آج بھی دنیا کو روحانی استحکام، فکری توازن، اور اخلاقی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ایک ایسا منشور جو انسان کو انسان بننے کا ہنر سکھاتا ہے۔

خلاصہ

علامہ اقبال کا فکری و شعری نظام انسان کو خدا کا نائب اور کائنات کا فعال مرکز قرار دیتا ہے۔ ان کا نظریہ بخود ہی انسان کو جمود سے نکال کر عمل، تخلیق، اور اخلاقی بیداری کی طرف لے جاتا ہے۔ اقبال ایمان، شعور ذات، اور محبت کے ذریعے انسان اور خدا کے باہمی تعلق کو از سر نو متعین کرتے ہیں۔ ان کی شاعری آج بھی روحانی اور فکری بیداری کا پیغام ہے جو ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کی دعوت دیتی ہے جو عدل، محبت، اور اخلاقی سر بلندی پر قائم ہو۔ اقبال کی انسان دوستی کا پیغام آج بھی عالمی سطح پر انسانیت کی تجدید اور اخلاقی ارتقاء کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

حوالہ جات

■